ذاریات میں تین، الفجر، النحل اور الطارق میں دو دو ظاہر قسمیں ہیں باقی بتیس سورتوں میں ایک ایک مرتبہ یہ قسم آئی ہے، مکی سورتوں میں قسموں کی تعداد چونتیس ہے جبکہ مدنی سورتوں میں سے صرف النساء اور التغابن میں قسمیں آئی ہیں، نیز مظاہر کائنات کی زیادہ تر قسمیں ابتدائی عہد نبوت میں نازل شدہ سورتوں میں ہیں اور یہ بھی کہ سورتوں کے درمیان میں قسموں کا استعمال بہت کم ہوا ہے۔

بہر حال اقسام القرآن کے مؤلف نے کم و بیش ۴۰ تفسیری کتب کے علاوہ بیسیوں آئمہ فنون وعلوم کے اقوال اور آئمہ فقہاء و محدثین کی تصریحات و توضیحات سے اپنی کتاب کو حسین سے حسین تر بنایا ہے موصوف جامعہ اسلامیہ اشاعت الاسلام عارف والا کے مدیر ہیں، مشغلہ چونکہ تدریس ہے اس لیے انداز تحریر بھی مدرسانہ اور سادہ و سلیس ہے مگر تحقیق واقعی انیق ہے، عمدہ کاغذ پر طباعت ہوئی ہے ٹائٹل انتہائی جاذب نظر ہے، اہل علم اس کا مطالعہ ضرور کریں۔

التفسیر، اہل علم کی نظر میں

استاذ العلماء مولانا جمیل احمد نعیمی

عزیز جلیل ڈاکٹر حافظ محمد شکیل حفظہ اللہ الوکیل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون و دعائے مقرون، معلوم ہو کہ آپ کا موقر و وقیع علمی و تحقیقی مجلّہ "سہ ماہی التفسیر" باقاعدگی سے احقر کو موصول ہوتا رہتا ہے۔ مختلف اہل علم کے علمی، تحقیقی اور تخلیقی مضامین پڑھ کر آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب لبیب ﷺ کے صدقے نظر بد سے محفوظ رکھے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری وساری رہے۔ (آمین) پرچوں کا جاری کرنا بھی ایک امر دشوار ہے، لیکن جاری کرنے کے بعد اس سلسلے کو قائم و دائم رکھنا بھی ایک جہاد سے کم نہیں ہوتا۔ اس مرتبہ کے شمارے (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء) میں یہ پڑھ کر بے حد رنج و افسوس ہوا کہ مخدوم و محترم مولانا حافظ محمود الحسن علیہ الرحمۃ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولائے کریم اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ ان کی اہلیہ محترمہ کو اور ان کی صاحبزادی کو صبر جمیل اور اجر جزیل مرحمت فرمائے۔ (آمین ثم آمین) آپ نے اور محترم محمد اعظم سعیدی نے جس بچے تلے اور پر مغز انداز میں انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے وہ بھی قابل صد تعریف ہے۔

سال ۲۰۰۷ء ہمارے لئے کسی طرح عام الحزن سے کم نہیں رہا۔ اس سال قبلہ حافظ صاحب مرحوم و مغفور ہی نہیں اور بھی کئی ارباب علم و فضل اور اصحاب زہد و تقویٰ ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ ان میں چند نمایاں نام حسب ذیل شخصیات کے بھی آتے ہیں:

1. صدر العلماء شیخ الحدیث علامہ تحسین رضا خاں (خلیفہ رشید مولانا حسن رضا)
2. محقق دوراں اور کتب کثیرہ کے مصنف علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری اشرفی علیہ الرحمۃ
3. خطیب شیریں بیاں، سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر سیالکوٹی علیہ الرحمۃ

۴. مولانا مفتی غلام یٰسین امجدی علیہ الرحمۃ

مخدوم و محترم حافظ محمود الحسن علیہ الرحمۃ سے احقر کے دیرینہ مراسم تھے۔ ۱۹۶۹ء انجمن طلبائے اسلام کے سلسلے میں جب احقر نے اپنے چند احباب کے ساتھ سندھ اور پنجاب کا دورہ کیا تو اس دورے میں جیکب آباد میں دیگر علماء و مشائخ کے علاوہ قبلہ حافظ صاحب سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ جن میں مفتی سید شجاعت علی قادری، مفتی منیب الرحمٰن، مولانا اقبال حسین نعیمی اور یہ فقیر ہوتا تھا۔ حافظ صاحب کو عسر و یسر فرح و ترح میں ہمیشہ شاداں و فرحاں پایا۔ کلمات حمد و شکر موصوف کی زبان پر ہمیشہ جاری رہتے تھے۔ قبلہ حافظ صاحب واقعی باغ و بہار شخصیت تھے۔ خود بھی ہنستے اور دوسروں کو بھی ہنساتے رہتے تھے۔

وقت کی قلت کے پیش نظر انہی الفاظ پر یہ فقیر اپنے خط کو ختم کرتے ہوئے حافظ صاحب کو ان الفاظ کے ساتھ محبت و خلوص کا خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ موقع ملا تو پھر کسی وقت اپنی تیس پینتیس سالہ رفاقت کو قلمبند کرے گا۔

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے ڈھونڈا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کر

جمیل احمد نعیمی

استاذ الحدیث و ناظم تعلیمات

دار العلوم نعیمیہ، بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا، کراچی

ڈاکٹر محمد عارف خان ساقی

محترمی جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

مدیر اعلیٰ "سہ ماہی التفسیر۔ کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کے مجلے کے تازہ شمارے (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء) میں آپ کا مضمون "محصنین اہل کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح" سامنے کھلا ہے اور میں ہوں۔ قرآن حکیم ہی کی روشنی میں آپ نے جو نکات اٹھائے ہیں اور جن نئی جہتوں کو عمدگی اور خوبصورتی سے متعارف کرایا ہے، پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن حکیم پر آپ کی نظر بہت گہری اور مطالعہ کافی عمیق و وسیع ہے۔ بلاشبہ آپ نے پوری جامعیت کے ساتھ ایک پر مغز مقالہ تحریر فرمایا ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ تبصرے کے طور پر قلم برداشتہ چند سطور

پیش خدمت ہیں۔ مناسب معلوم ہو تو اپنے مجلے کے صفحات پر جگہ دے کر اپنے قارئین کے مطالعہ کے لئے انہیں پیش فرمادیں۔

آج دنیا بھر میں حالات تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں۔ پوری دنیا ایک عالمی گاؤں یا شہر کے دائرے میں سمٹتی چلی جارہی ہے۔ لہٰذا سوچ و فکر کے زاویے اور انداز بھی اس انقلابی تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس تبدیلی نے مختلف ادیان و مذاہب کے پیروکاروں اور مختلف النوع تہذیبوں سے گہری وابستگی اور ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے افراد کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی نے اقصائے عالم کی سب دوریاں اور نوع بشر کے مابین حائل سبھی فاصلے تقریباً مٹا ڈالے ہیں۔ اور رہی سہی کسر بھی آئندہ ایک دو عشروں میں نکل جانے کے امکانات قوی تر ہو چلے ہیں۔ ان حالات میں نوع بشر کے درمیان کشیدگی بڑھ جانے اور تفرقوں کو بے جا فروغ دینے کے مضر اثرات اور بے قابو خطرات سے ہر ذی فہم و شعور پوری طرح سے آگاہ ہے۔ یہی کچھ وجوہات ہیں کہ پیش بین و دور اندیش اہل دانش کی طرف سے آج مختلف ادیان و مذاہب اور مختلف تہذیبوں کے درمیان مکالمہ کی راہیں ہموار کرنے پر خصوصی اور بڑی شدت سے زور دیا جارہا ہے۔ شاید ہی کوئی سمجھدار شخص اس چیز کی اہمیت و افادیت کا منکر ہوگا۔

ان حالات میں ہم دیکھتے ہیں کہ منا کحت آج کے ہر انسانی معاشرے کا وہ طاقتور ترین عنصر ہے جو خاندانی میکانزم کی تشکیل کرتا ہے۔ اس انسانی رشتے کو اگر راست بنیادوں پر استوار کیا جاسکے تو یہ دو قبیلوں، گروہوں یا خاندانوں کے درمیان ایک دوسرے پر اعتماد، تعاون اور امداد باہمی کیلئے ایسی مستحکم بنیادیں مہیا کرنے کی پوری استعداد و صلاحیت رکھتا ہے جو وقتاً فوقتاً ابھر آنے والی ناگواریت کی لہروں سے بھی متزلزل نہیں ہوتیں۔ آنے والے دنوں میں مختلف ادیان و مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان اس نوع کے تعلق اور منا کحت کے بڑھتے ہوئے رجحان کو کسی بھی صورت رد نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ مسلم اہل دانش اور اصحاب بصیرت کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وقت کی ان کروٹوں پر گہری نگاہ رکھتے ہوئے ممکنہ طور پر کل پیش آنے والے معاملات و مسائل پر گہرے غور و خوض کے ساتھ آج ہی مناسب تیاری کر رکھیں۔ بقول اقبال۔

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

یہ ایک حقیقت ہے کہ افراد انسانی پر ان کے خاندان یا قبیلے کا طاقتور میکانزم اپنے گہرے اور

دیرپا اثرات رکھتا ہے۔ چنانچہ راست سمت کے تعین میں مدد دینے کی خاطر اس میکانزم میں ایک بے داغ اور موثر کردار جملہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں پر لازم ہے۔ اس اعلیٰ و ارفع مقصد کے حصول کی خاطر، سچائی، دیانت، انسانی شرافت اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی بدولت اس میکانزم کے اندر ہر کوئی اپنا مقام خود بنا سکتا ہے۔ بالخصوص ایک مسلمان عورت اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور پاس کرتے ہوئے خواہ وہ کہیں پر بھی ہو، اپنا مقام آپ بنا سکتی ہے اور حقیقی اسلامی قدروں کے فروغ اور رسوخ کے لیے موثر کردار ادا کرسکتی ہے۔

ہمیں اس چیز کا بھی پورا پورا احساس ہے کہ دیگر ادیان و مذاہب کے پیروکاروں کے خالص اندرونی معاملات میں جائز و ناجائز یا مناسب و نامناسب کا تعین کرنے کے مجاز ہم نہیں ہیں۔ ان کے قانون حیات کی تشکیل کرنا یا اس کی نوک پلک سنوارنا ہمارا مقام و منصب ہے نہ ہی ہمیں اس امر میں سے کسی طرح کی کوئی دلچسپی ہے۔ وقت کے تقاضوں کا بروقت ادراک اور بجا طور پر احساس کرتے ہوئے آپ نے اپنے اس مطالعے کے دوران بس اس امر کا جائزہ لیا ہے کہ اگر آئندہ ایام میں دوسرے ادیان و مذاہب کے پیروکاروں کی طرف سے بھی اس نوع کی مناکحت کی کوئی تحریک ہوتی ہے تو ایک مسلم خاتون کیلئے اس امر کی کس حد تک گنجائش نکلتی ہے؟ اس ضمن میں آپ کی رائے خاصے وزنی دلائل سے آراستہ ہے۔

قرآن حکیم نے اہل کتاب کی باکردار اور عفیف عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح کو بصراحت جائز قرار دیا ہے۔ البتہ ان کے مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح سے بظاہر سکوت اختیار کیا ہے۔ اس حکیمانہ سکوت کی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ ان کی باکردار عورتوں سے نکاح کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ چونکہ مسلمانوں کو کرنا تھا۔ چنانچہ مثبت طور پر یہ فیصلہ ہوا اور اس امر کا بصراحت تمام جواز طے کردیا گیا۔ اب اصولی طور پر یہ طے کرنا اہل کتاب کا کام ہے کہ کسی مسلمان عورت سے نکاح ان کی معاشرت اور شریعت کے مزاج کی رو سے درست ہوگا یا نادرست؟ اب اگر وہ بھی مسلمان عورتوں سے مناکحت کے عمل کو جائز اور روا قرار دیتے ہیں تو یقینی طور پر مسلم اہل دانش کے سامنے ایک اہم سوال اٹھ کھڑا ہوگا۔ جس کا جواب بہر صورت ان کو مناسب انداز سے دینا ہوگا۔

اس معاملے کی حساسیت اور اہمیت کو جان لینے کے بعد اسی سوال کے جواب کی تیاری کے سلسلے میں ہمارے اہل دانش کو آپ کے اس مضمون سے مناسب مواد ہاتھ آئے گا اور اہم نکات بھی ان کی

نگاہ میں آسکیں گے۔

کتابی ہو یا کتابیہ کوئی، دونوں کا عقیدہ وعمل تو ایک سا ہے۔ ان میں باہم کسی طرح کا کوئی تفاوت نہیں ہے۔ پھر کتابیہ کو قرآن حکیم نے زمرہ محصنات میں شمار کیا ہے تو آخر کس برتے پر کسی کتابی کو، جبکہ وہ اپنی عملی زندگی میں بے راہ روی سے مجتنب بھی رہا ہو، اس زمرہ سے خارج کیا جائے؟

بعض مذہبی حلقے اس نکتہ نظر کے خلاف رائے بھی رکھتے جو آپ نے مربوط دلائل کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ اس کی وجہ شائد یہ ہے کہ ہم ابھی تک روایتی طرز حیات کے جنجال سے خود کو پوری طرح سے آزاد نہیں کر پائے ہیں۔ ایسے میں ہم نہایت نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ از کار رفتہ اور فرسودہ روایات اور بے مقصد رسومات کو بھی سینے سے لگائے رہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اپنے اس طرز عمل کو ہم دین متین کی عین خدمت بھی سمجھے ہوتے ہیں۔ طرح تو خواہ کوئی اور کیسی ہی ہو، معروضی حوالے سے اسے دیکھے بغیر رد کر دینا اپنے دین و ایمان کی حفاظت اور سلامتی کے لئے ناگزیر جانتے ہیں۔ ہم یہ بات اکثر بھول جاتے ہیں کہ اسلام ہمیں بیدار مغزی کے ساتھ حقیقت تک رسائی کی تعلیم دیتا ہے نہ کہ بے مقصد روایات کے تتبع اور ان کی پیروی کی۔ بقول اقبال۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا   منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

دلچسپ امر یہ ہے کہ مرکزی دلیل ان مذہبی حلقوں کی بھی وہی ہے جو کہ آپ کے مقالے کا محوری نکتہ ہے۔ مگر سوچ و فکر، طرز استدلال اور اخذ و استنباط کا انداز ہر ایک کا اپنا اپنا ہے۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ دونوں میں ۱۸۰ ڈگری کا فرق ہے۔ نتیجہ یہ کہ دونوں کا "نتیجہ" فکر بھی بالکل ایک دوسرے کی ضد ہے۔

اب یہ کہنا کہ کتابیہ کو زمرہ محصنات میں قرآن حکیم نے شمار کیا ہے۔ مگر کتابی کو نہیں۔ اس بات کی کوئی معقولیت نہیں ہے۔ بنیادی بات تو یہ ہے کہ کتابیہ اس حوالے سے قرآن حکیم میں معرض بیان میں آئی ہے۔ سو وہ محصنہ قرار دے دی گئی۔ اگر کوئی کتابی بھی یونہی معرض بیان میں آتا تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اسے بھی زمرۂ محصنین میں نہ رکھا جاتا۔ "احصان" کی علت بے راہ روی اور بدکرداری سے مجتنب رہنا ہے۔ اس کا تعلق عقیدہ و ایمان و عمل سے اتنا نہیں ہے جتنا کہ انسانی شرافت، متانت اور بلند کرداری سے ہے۔ لہٰذا یہی علت اگر کتابی میں بھی پائی جاتی ہے تو وہ غیر محصن کیسے ہو جائے گا؟ پھر اگر وہ غیر محصن قرار نہیں دیا جاسکے گا تو کسی سماجی یا معاشرتی ضرورت کے تحت، اس اشتراک علت کے باوصف، جواز نکاح کے قرآنی حکم کو اس تک متعدی ہونے سے آخر کس بنیاد پر روکا جاسکے گا؟

سردست اتنا ہی۔ موقع ملا تو اس موضوع پر قدرے تفصیل کے ساتھ لکھ کر آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کروں گا۔

والسلام

ڈاکٹر محمد عارف خان ساقی

آصف اقبال

محترم ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ بندہ آپ کے موقر جریدے کا قاری ہے لیکن قلم اٹھانے کا سبب سہ ماہی التفسیر کے شمارہ نمبر ۱۱ کا ایک مضمون ''مطالعہ قرآن میں مکی اور مدنی آیات کے علم کی اہمیت'' از ڈاکٹر ریحانہ فردوس صاحبہ اور شمارہ نمبر ۱۲ میں آپ کا اپنا مضمون بعنوان ''محصنین اہل کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح'' بنے۔

سب سے پہلے ڈاکٹر صاحبہ کے مضمون کے بارے میں چند گزارشات عرض ہیں:

ڈاکٹر صاحبہ فرماتی ہیں کہ

''اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علوم قرآنیہ میں سب سے اہم مکی اور مدنی آیات کا علم ہے اس علم کو حاصل کرنے کے لیے روایات کی بحث وتمحیص، نصوص آیات کی تحقیق اور تمام امور کا تاریخ سے تعلق پیدا کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔''

ڈاکٹر صاحبہ کی مندرجہ بالا تحریر پر بحث کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علوم قرآنیہ کے سلسلے میں روایات کی اہمیت وحیثیت پر روشنی ڈالی جائے تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کے تصور حدیث کے بارے میں شبلی نعمانی فرماتے ہیں:

''حدیث کے متعلق پہلا خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثیں ایسی ہیں جن کی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے۔''

(سیرت نعمان، ص:۱۰۹)

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی فرماتے ہیں کہ

''قرآن قطعی ویقینی چیز ہے اور اخبار وروایات اگر صحیح بھی ہوں تو ظنی ہیں۔ قطعی چیز کو جب ظنی چیز کا پابند کر دیا جائے گا اور قطعی کے ساتھ ظنی کو ملا کر کوئی نتیجہ نکالا جائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی ظنی ہو جائے گا، گویا پورا قرآن ظنی ہو گیا حجت قطعی نہ رہا''۔ (مجموعہ تفاسیر لکھنوی ص:۴۳)

نیز فرماتے ہیں کہ:

''احادیث چاہے کیسی ہی اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں ان کے انکار سے کافر نہیں ہوتا۔''

(مجموعہ تفاسیر لکھنوی ص:۳۰)

مزید فرماتے ہیں کہ:

''......... مگر جس قدر شریعت کی چیزیں آپ سے منقول ہیں ان میں سب سے قطعی اور یقینی چیز قرآن شریف ہے .... اور وہی ایک حجت قطعی ہے جو خدا کی طرف سے خدا کے بندوں پر قائم ہے۔''

(مجموعہ تفاسیر لکھنوی ص:۳۰)

مولانا محمد علی کاندھلوی فرماتے ہیں کہ

''کہنا یہ چاہتا ہوں کہ دین میں جو چیز قرآن کے بعد حجت کی حیثیت رکھتی ہے وہ سنت ہے حدیث نہیں ہے، حدیث تو تاریخ سنت کا نام ہے''۔

(امام اعظم اور علم حدیث ص:۹۳)

حتیٰ کہ امام ابن تیمیہؒ نے یہاں تک فرمایا کہ

''اگر بخاری ومسلم پیدا نہ ہوتے تو دین میں کچھ کمی نہ ہوتی۔'' (امام اعظم اور علم حدیث ص:۹۳)

امام ابن تیمیہؒ، مولانا شبلی، مولانا لکھنوی اور مولانا محمد علی کاندھلوی کے مندرجہ بالا اقوال کی روشنی میں مکی اور مدنی آیات کے علوم میں روایات کا شمول اس پورے علم کو ظنی بنا رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحبہ نے ابوالقاسم نیشاپوری کا قول بھی نقل کیا ہے کہ

''علوم قرآنی میں سب سے اشرف علم اسکے نزول اور جہات کا علم ہے''

(ص: ۳۶)

آگے چل کر لکھتی ہیں:

خرابیاں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب اس ترتیب میں نزول سے متعلق صحیح روایات کا بالکل خیال نہ رکھا جائے .... حیرت کی بات یہ ہے کہ مستشرقین ان تنزیلی روایات کا بالکل اعتبار نہیں کرتے۔''

(ص: ۳۷،۳۶)

عرض یہ ہے کہ اس سلسلے میں اخبار احاد پر تو اعتبار کیا نہیں جا سکتا۔ ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں کہ:

''متنازع فیہ بات یہ ہے کہ آیا صحیح خبر واحد سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے یا یقینی؟''

علوم الحدیث (مترجم غلام احمد حریری) ص: ۱۹۵

یعنی اخبار احاد سے ظنی علم حاصل ہوتا ہے یا یقینی علم یہ ایک متنازع فیہ بات ہے۔

مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ

''اخبار احاد کی نسبت ثابت ہو چکا ہے کہ ان سے صرف ظن پیدا ہو سکتا ہے'' (سیرت نعمان، ص: ۱۳۶)

باقی رہا معاملہ خبر متواتر کا' تو امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں کہ

''یہ امر یہاں ملحوظ خاطر رہے کہ خبر تواتر کا اسم تو موجود ہے، لیکن ہمارے علم کی حد تک اسکا کوئی مسمّٰی موجود نہیں ہے'' (مبادی تدبر حدیث ص: ۲۰)

محدث ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ

''متواتر لفظی نادر الوجود بلکہ معدوم ہے۔ اسکی مثال طلب و تلاش پر بھی نہیں مل سکتی''۔

علوم الحدیث (مترجم غلام احمد حریری) ص: ۱۹۱

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ

''ظاہر ہے کہ احادیث متواترہ کا مطلق وجود نہیں، یا ایک دو سے زیادہ نہیں'' (مقالات سلیمانی، ص: ۱۹۳)

اب جہاں تک ڈاکٹر صاحبہ کا یہ فرمانا ہے کہ

''خرابیاں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب اس ترتیب میں نزول سے متعلق صحیح روایات کا بالکل خیال نہ رکھا جائے .... حیرت کی بات یہ ہے کہ مستشرقین ان تنزیلی روایات کا بالکل اعتبار نہیں کرتے۔''

اس سلسلے میں ہم امام احمد بن حنبل کا قول بھی نقل کرتے ہیں:

ابن حجر عسقلانی ''لسان المیزان'' میں لکھتے ہیں کہ

''امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں تین قسم کی کتابیں ایسی ہیں جن کا کوئی اصول نہیں: مغازی، تفسیر اور ملاحم''۔

(بحوالہ شب برات ایک تحقیقی جائزہ، ص: ۱۹۰ از حبیب الرحمان کاندھلوی)

ڈاکٹر صاحبہ مستشرقین کے بارے میں لکھتی ہیں

''اور ان لوگوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ قرآن اپنی تفسیر آپ ہے۔''

(ص: ۳۸)

قرآن کریم کا فرمان ہے

﴿... وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲/۲۲۱)

(... اور اپنے حکم لوگوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں۔)

مزید یہ کہ مندرجہ ذیل آیات کی موجودگی میں مستشرقین کا نظریہ یقیناً درست ہے۔

-16/54,16/89,26/2,6/105,18/54,14/52,10/37,11/1

سو جو قول فیصل اور فرقان ہونے کا دعویٰ کرے اس کا انحصار کسی بھی حیثیت میں کسی خارجی چیز پر نہیں ہو سکتا خواہ آپ اس چیز کو کوئی سا بھی نام دے دیں!

ڈاکٹر صاحبہ مزید فرماتی ہیں

''یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ غالباً فلاں آیت اس موقع پر نازل ہوئی اور اسکا موضوع یہ اور یہ تھا۔ اور اس سے فلاں اور فلاں کی طرف خطاب

ہے۔اس طرح کے یقین سے علم میں یقیناً اضافہ ہوتا ہے اور اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا" (ص:۴۹)

اب جس علم سے ہم "غالباً" کسی نتیجہ پر پہنچیں، اس کے بارے میں کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔ایک نتیجے کا اعلان تو آپ نے خود ہی فرمادیا کہ "سورۃ رعد کے بارے میں اختلاف ہے کہ مکی ہے یا مدنی"۔(ص:۴۹)۔اب اگر سورۃ رعد کو متنازع بنا کر بھی "اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا" تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔اس کے مزید نقصانات کا ذکر مولانا تمنا عمادی نے "جمع القرآن" میں فرمایا ہے۔اپنی گفتگو کے اختتام پر ہم دو حوالے مزید پیش کرتے ہیں۔

مولانا فراہی فرماتے ہیں

"لہٰذا اگر تم کو شان نزول معلوم کرنی ہو تو اس کو خود سورۃ سے معلوم کرو، کیونکہ کلام کا اپنے موقع و محل کے مناسب ہونا ضروری ہے۔جس طرح ایک ماہر طبیب دوا کے نسخے سے اس شخص کی بیماری معلوم کرسکتا ہے جس کے لیے نسخہ لکھا گیا ہے اسی طرح تم ہر سورۃ سے اس سورۃ کی شان نزول معلوم کرسکتے ہو۔"

(مجموعہ تفاسیر فراہی، ص:۳۵)

"یہ بڑی غلطی ہوگی کہ کتاب کو ہمیشہ ان انسانی احوال کے پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی جائے جن میں وہ پہلی بار نازل ہوئی تھی، یا یہ کہ کتاب کو ان لوگوں کے ذہن سے سمجھنے کی کوشش کی جائے جو اس کے اولین مخاطب تھے۔یہ طریقہ تو نبی ﷺ کی سنت کے فہم کے لیے اختیار کرنا چاہیے"۔

(ڈاکٹر عرفان احمد خان کا مضمون شائع کردہ ششماہی علوم القرآن خصوصی اشاعت

مقالات سیمینار "قرآنی علوم بیسویں صدی میں" ص:۸۵-۸۴)

"**محصنین اہل کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح**" ایک شاہکار مضمون ہے۔دراصل جو بھی تعصبات اور تقلید محض سے بالاتر ہو کر تدبر فی القرآن کرے گا قرآن یقیناً اس کی راہنمائی کرے گا۔لیکن بدقسمتی سے ہمارا فہم قرآن محض اسلاف کی مجاوری اور تقلید شخصی بن کر رہ گیا ہے۔

لاریب کہ اسلاف کا فہم قرآن ہمارے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہے لیکن اس سرمایہ کو آگے بڑھاتے رہنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کی پوجا پاٹ کر کے اس کو کوئی مقدس گائے بنانے کی۔اسلاف بھی ہمارے جیسے گوشت پوشت کے ہی انسان تھے ما فوق الفطرت مخلوق یا صاحب وحی نہ تھے۔اسلاف کے فہم قرآن کے رعب نے ہمیں خدا کے خوف سے بیگانہ کر رکھا ہے کہ ہم خدا کی نسبت اپنے اسلاف سے زیادہ ڈرتے ہیں۔اسلاف سے اگر فہم میں کوئی غلطی ہوئی ہے تو اس کو تسلیم کرنا چاہیے نہ کہ اس کو بطور سند پیش کرنا چاہیے۔بہرحال آپ کا مضمون موجودہ گھٹن کی فضا میں ہوا کے تازہ جھونکے کی مانند ہے۔خدا کرے زور قلم اور زیادہ۔(آمین)

والسلام

آصف اقبال، راولپنڈی

0333-5322830, 051-5557083(R)

email:conversing@msn.com

محمد صادق امین

استاذ وفاقی اردو یونیورسٹی۔کراچی

محترم ڈاکٹر محمد شکیل اوج صاحب!

السلام علیکم! مزاج بخیر!

سہ ماہی التفسیر کراچی کے جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷ء، جلد ۳ شمارہ ۱۱ میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد شعبہ اسلامیات کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر محفوظ احمد کا مضمون "آیات حجاب کے چند تفسیری پہلو" شائع ہوا ہے۔موصوف نے جس مسئلے پر "اجتہاد" فرمایا ہے وہ دراصل "قابل اجتہاد" ہی نہیں ہے۔کیونکہ ستر و حجاب کے احکام نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی طرح قرآن و سنت اور اجماع سے ثابت اور طے شدہ ہیں۔اس لئے ان کا یہ اجتہاد کہ حجاب کا حکم صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے تھا قرآن و سنت کی نصوص اور اجماع امت کی روشنی میں قابل التفات ہی نہیں ہے۔

اس بحث سے قطع نظر سر دست میں آپ کی توجہ ڈاکٹر محفوظ احمد کی ایک عبارت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو سراسر بہتان، علمی خیانت اور آداب رسالت کے منافی ہے۔جسے پڑھتے ہیں زبان پر یہ آیت جاری ہو جاتی ہے: